رسائل و مسائل

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(۱۰)

چہرے کا حکم | سورۂ احزاب کی جس آیت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔ (رکوع ۸)۔

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور انھیں ستایا نہ جائے گا۔

یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کے لیے ہے جلابیب جمع ہے جلباب کی جس کے معنی چادر کے ہیں۔ ادنا، کے معنی ادخاء یعنی لٹکانے کے ہیں۔ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ "اپنے اوپر اپنی چادروں میں سے ایک حصہ لٹکا لیا کریں"۔ یہی مفہوم گھونگھٹ ڈالنے کا ہے۔ مگر اصل مقصود وہ خاص وضع نہیں ہے جس کو عرف عام میں گھونگھٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلکہ چہرے کو چھپانا مقصود ہے خواہ گھونگھٹ سے چھپایا جائے یا نقاب سے یا کسی اور طریقے سے۔ اس کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب مسلمان عورتیں اس طرح مستور ہو کر باہر نکلیں گی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شریف عورتیں ہیں، بے حیا نہیں ہیں۔ اس لیے کوئی ان سے تعرض نہ کرے گا۔

قرآن مجید کے تمام مفسرین نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس

اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

"اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں"۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۲۔ صفحہ ۲۹)۔

امام محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ بن سفیان بن الحارث الحضرمیؒ سے دریافت کیا کہ اس حکم پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟ انہوں نے خود چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی اور ناک اور ایک آنکھ کو چھپا کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی (تفسیر ابن جریر حوالہ مذکور۔ واحکام القرآن جلد سوم صفحہ ۴۵۷)۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"اے نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ جب اپنے گھروں سے کسی حاجت کے لیے نکلیں تو لونڈیوں کے سے لباس نہ پہنیں کہ سر اور چہرے کھلے ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان سے تعرض نہ کرسکے اور جان لیں کہ وہ شریف عورتیں ہیں" (تفسیر ابن جریر حوالۂ مذکور)

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں :۔

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردہ داری اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہئے تاکہ بدنیت لوگ اس کے حق میں طمع نہ کرسکیں (احکام القرآن جلد سوم صفحہ ۴۵۸)۔

علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں :۔

"ابتدائے عہد اسلام میں عورتیں زمانۂ جاہلیت کی طرح محض قمیص اور دوپٹے کے

ساتھ نکلتی تھیں اور شریف عورتوں کا لباس ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے مختلف نہ تھا پھر حکم دیا گیا کہ وہ چادریں اوڑھیں اور اپنے سر اور چہروں کو چھپائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ شریف زادیاں ہیں، فاحشہ نہیں ہیں"۔ (تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ ابن جریر جلد ۲۲ صفحہ ۳۲)۔

امام رازی لکھتے ہیں:۔

"جاہلیت میں اشراف کی عورتیں اور لونڈیاں سب کھلی پھرتی تھیں اور بدکار لوگ ان کا پیچھا کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے شریف عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈالیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ تو اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس لباس سے پہچان لیا جائے گا کہ وہ شریف عورتیں ہیں اور ان کا پیچھا نہ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ وہ بدکار نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی، دراں حالیکہ چہرہ "عورت" نہیں ہے جس کا چھپانا فرض ہو، تو کوئی شخص اس سے یہ توقع نہ کرے گا کہ وہ عورت کشف "عورت" پر آمادہ ہو گی۔ پس اس لباس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ ایک پردہ دار عورت ہے، اور اس سے بدکاری کی توقع نہ کی جا سکے گی (تفسیر کبیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۹۱)۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:۔

"یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ۔ یعنی جب وہ اپنی حاجات کے لیے باہر نکلیں تو اپنی چادروں سے اپنے چہروں اور اپنے جسموں کو چھپا لیں۔ یہاں لفظ مِن تبعیض کے لیے ہے یعنی چادروں کے ایک حصہ کو منہ پر ڈالا جائے اور ایک حصہ کو جسم پر لپیٹ لیا جائے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ۔ یعنی اس سے ان

کے اور لونڈیوں اور مغنیات کے درمیان تمیز ہو جائے گی فلا یوذین اور مشتبہ چال چلن کے لوگ ان سے تعرض کی جرأت نہ کر سکیں گے (تفسیر بیضاوی جلد ۴ صفحہ ۱۶۸)۔

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے مبارک دور سے لے کر آٹھویں صدی تک ہر زمانہ میں اس آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا ہے۔ اور وہ وہی مفہوم ہے جو اس کے الفاظ سے ہم نے سمجھا ہے۔ اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کیجیے تو وہاں بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے عہد نبوی میں عام طور پر مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں، اور کھلے چہروں کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا تھا۔ ابو داؤد، ترمذی، موطا، اور دوسری کتب حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حالت احرام میں چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرمادیا تھا (المحرمة لاتنتقب ولاتلبس القفازین۔ ونھی النساء فی احرامھن عن القفازین والنقاب) اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لیے نقاب اور ہاتھوں کے چھپانے کے لیے دستانوں کا عام رواج ہو چکا تھا۔ صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا۔ مگر اس سے بھی یہ مقصد نہ تھا کہ حج میں چہرے منظر عام پر پیش کیے جائیں، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا ایک جز نہ ہو، جس طرح عام طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ حالت احرام میں بھی ازواج مطہرات اور عام خواتین اسلام اپنے چہروں کو اجانب سے چھپاتی تھیں۔ ابو داؤد میں ہے:۔

عن عائشة قالت كان الركبان یمرون بنا ونحن مع رسول الله صلعم — حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سوار ہمارے قریب گذرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محرمات فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من راسها علی وجهها فاذا جاوزونا کشفناه (باب فی المحرمة تغطی وجهها)۔

کے ساتھ حالت احرام میں تھیں پس جب وہ لوگ ہمارے مقابل آجاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی طرف سے اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گزر جاتے تو منہ کھول لیتی تھیں۔

موطا امام مالک میں ہے :۔

عن فاطمة بنت المنذر قالت کنا نخمر وجوهنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابی بکر الصدیق فلا تنکره علینا (باب تخمیر المحرم وجهه)

فاطمہ بنت منذر کا بیان ہے کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں پر کپڑا ڈال لیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں انہوں نے ہم کو اس سے منع نہیں کیا۔

فتح الباری، کتاب الحج میں حضرت عائشہ کی ایک اور روایت ہے :۔

تسدل المرأة جلبابها من فوق راسها علی وجهها۔

عورت حالت احرام میں اپنی چادر اپنے سر پر سے چہرے پر لٹکائے۔

نقاب | جو شخص آیت قرآنی کے الفاظ، اور اُن کی مقبول عام اور مجمع علیہ تفسیر اور عہد نبوی صلعم کے تعامل کو دیکھے گا اس کے لیے اس حقیقت سے انکار کی مجال باقی نہ رہے گی کہ شریعت اسلامیہ میں عورت کے لیے چہرے کو اجانب سے مستور رکھنے کا حکم ہے، اور اس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے عمل کیا جا رہا ہے۔ نقاب اگر لفظاً نہیں تو معنیً وحقیقۃً خود قرآن عظیم کی تجویز کردہ چیز ہے۔ جس ذات مقدس پر قرآن نازل ہوا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے خواتین اسلام نے اس چیز کو اپنے خارج البیت لباس کا جزء بنایا تھا، اور اس زمانہ میں بھی اس چیز کا نام "نقاب" ہی تھا۔

جی ہاں! یہ وہی "نقاب" (Veil) ہے جس کو یورپ انتہا درجہ کی مکروہ اور گھناونی چیز سمجھتا ہے، جس کا محض تصور ہی فرنگی ضمیر پر ایک بار گراں ہے، جس کو ظلم اور تنگ خیالی اور وحشت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ ہاں! یہ وہی چیز ہے جس کا نام کسی شرقی قوم کی جہالت اور تمدنی پسماندگی کے ذکر میں سب سے پہلے لیا جاتا ہے، اور جب یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ کوئی مشرقی قوم تمدن و تہذیب میں ترقی کر رہی ہے تو سب سے پہلے جس بات کا ذکر بڑے انشراح و انبساط کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس قوم سے "نقاب" رخصت ہو گئی ہے۔ اب شرم سے سر جھکا لیجیے کہ یہ چیز بعد کی ایجاد نہیں، خود قرآن نے اس کو ایجاد کیا ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رائج کر گئے ہیں۔ مگر محض سر جھکانے سے کام نہ چلے گا۔ شتر مرغ اگر شکاری کو دیکھ کر ریت میں سر چھپا لے تو شکاری کا وجود باطل نہیں ہو جاتا۔ آپ بھی اپنا سر جھکائیں گے، تو سر ضرور جھک جائے گا، مگر قرآن کی آیت نہ مٹے گی، نہ تاریخ کے ثابت شدہ واقعات محو ہو جائیں گے۔ تاویلات سے اس پر پردہ ڈالیے گا تو یہ "شرم کا داغ" اور زیادہ چمک اٹھے گا۔ جب وحی مغربی پر ایمان لا کر آپ اس کو "شرم کا داغ" مان ہی چکے ہیں، تو اس کو دور کرنے کی اب ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس اسلام ہی سے اپنی براءت کا اعلان فرما دیں جو "نقاب"، "گھونگھٹ"، "ستر و حجاب" جیسی "گھناونی چیز" کا حکم دیتا ہے۔ آپ "ترقی" کے خواہش مند ہیں۔ آپ کو "تہذیب" درکار ہے۔ آپ کے لیے ایسا مذہب قابل اتباع نہیں ہو سکتا جو خواتین کو شمع انجمن بننے سے روکتا ہو، حیا اور پردہ داری اور عفت مآبی کی تعلیم دیتا ہو، گھر کی ملکہ کو اہل خانہ کے سوا ہر ایک کے لیے قرۃ العین بننے سے منع کرتا ہو۔ بھلا ایسے مذہب میں "ترقی" کہاں! ایسے مذہب کو "تہذیب" سے کیا واسطہ! "ترقی" اور "تہذیب" کے لیے تو ضروری ہے کہ عورت "نہیں"، لیڈی صاحبہ باہر نکلنے سے پہلے دو گھنٹے تک تمام مشاغل سے دست کش ہو کر اپنی تزئین و آرائش میں مشغول ہوں، تمام جسم کو معطر کریں، رنگ اور

وضع کی مناسبت سے انتہا درجہ کا جاذب نظر لباس زیب تن فرمائیں. مختلف قسم کے غازوں سے چہرے اور باہوں کی تنویر بڑھائیں، ہونٹوں کو لپ سٹک سے مزین کریں، کمان ابرو کو درست اور آنکھوں کو تیر اندازی کے لیے چست کرلیں، اور ان سب کرشموں سے مسلح ہو کر گھر سے باہر نکلیں تو شان یہ ہو کہ ہر کرشمہ دامن دل کو کھینچ کھینچ کر "جا این جاست" کی صدا لگا رہا ہو! پھر اس سے بھی ذوق خود آرائی کی تسکین نہ ہو۔ آئینہ اور سنگھار کا سامان ہر وقت ساتھ رہے۔ تاکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسباب زینت کے خفیف ترین نقصانات کی بھی تلافی کی جاتی رہے۔

جیسا کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں اسلام اور مغربی تہذیب کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے، اور وہ شخص سخت غلطی کرتا ہے جو مغربی نقطۂ نظر سے اسلامی احکام کی تعبیر کرتا ہے۔ مغرب میں اشیاء کی قدر وقیمت کا جو معیار ہے، اسلام کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب جن چیزوں کو نہایت اہم اور مقصود حیات سمجھتا ہے، اسلام کی نگاہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں، اور اسلام جن چیزوں کو اہمیت دیتا ہے، مغرب کی نگاہ میں وہ بالکل بے قیمت ہیں۔ اب جو شخص مغربی معیار کا قائل ہے، اس کو تو اسلام کی ہر چیز قابل ترمیم ہی نظر آئے گی۔ وہ اسلامی احکام کی تعبیر کرنے بیٹھے گا تو ان کی تحریف کر ڈالے گا۔ اور تحریف کے بعد بھی ان کو اپنی زندگی میں کسی طرح نصب نہ کر سکے گا، کیونکہ قدم قدم پر قرآن اور سنت کی تصریحات اس کی مزاحمت کریں گی ایسے شخص کو عملی طریقوں کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جن مقاصد کے لیے ان طریقوں کو اختیار کیا گیا ہے وہ خود کہاں تک قابل قبول ہیں۔ اگر وہ مقاصد ہی سے اتفاق نہیں رکھتا تو حصول مقاصد کے طریقوں پر بحث کرنے اور ان کو مسخ اور محرّف کرنے کی فضول زحمت ہی وہ کیوں اٹھائے؟ کیوں نہ اس مذہب کو چھوڑ دے جس کے مقاصد کو وہ غلط سمجھتا ہے؟ اور اگر اسے مقاصد سے اتفاق ہے تو بحث صرف اس میں رہ جاتی ہے کہ ان مقاصد کے لیے جو

عملی طریقے تجویز کیے گئے ہیں وہ مناسب ہیں یا نامناسب ورنہ اس بحث کو بآسانی طے کیا جا سکتا ہے لیکن یہ طریقہ صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو منافق نہیں ہیں کہ ایک چیز پر اعتقاد کا دعویٰ کریں اور درحقیقت اعتقاد دوسری چیز پر رکھیں

نقاب اور ستر وجوہ کے مسئلہ میں جس قدر بحثیں کی جا رہی ہیں وہ دراصل اسی نفاق پر مبنی ہیں۔ ایڑی سے چوٹی تک کا زور یہ ثابت کرنے میں صرف کیا گیا ہے کہ پردے کی یہ صورت اسلام سے پہلے کی قوموں میں رائج تھی اور جاہلیت کی یہ میراث عہد نبوی کے بہت مدت بعد مسلمانوں میں تقسیم ہوئی۔ قرآن کی ایک صریح آیت اور عہد نبوی کے ثابت شدہ تعامل اور صحابہ و تابعین کی تشریحات کے مقابلہ میں تاریخی تحقیقات کی یہ زحمت کیوں اٹھائی گئی؟ صرف اس لیے کہ زندگی کے وہ مقاصد پیش نظر ہیں جو مغرب سے درآمد ہوتے ہیں۔ "ترقی" اور "تہذیب" کے وہ تصورات ذہن نشین ہوگئے ہیں جو اہل مغرب سے نقل کئے گئے ہیں۔ چونکہ ستر وجوہ ان مقاصد کے خلاف ہے اور ان تصورات سے کسی طرح میل ہی نہیں کھاتا۔ لہٰذا تاریخی تحقیق کے زور سے اس چیز کو مٹانے کی کوشش کی گئی جو اسلام کی کتاب آئین میں ثبت ہے۔ یہ کھلی ہوئی منافقت جو بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی برتی گئی ہے، اس کی اصلی وجہ وہی بے اصولی اور عقل کی خفت اور اخلاقی جرأت کی کمی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتباع اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن کے مقابلہ میں تاریخ کو لاکر کھڑا کرنے کا خیال بھی ان کے ذہن میں نہ آتا۔ یا تو وہ اپنے مقاصد کو اسلام کے مقاصد سے بدل ڈالتے (اگر مسلمان رہنا چاہتے) یا علانیہ اس مذہب سے الگ ہو جاتے جو ان کے معیار ترقی کے لحاظ سے مانع ترقی ہے۔

جو شخص اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ عقل عام (Common Sense) بھی رکھتا ہے اس کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا اُن مقاصد کے بالکل خلاف ہے

جن کو اسلام اس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے۔ انسان کی خلقی و پیدائشی زینت۔ یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر وہی ہے۔ نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے۔ جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے۔ صنفی جذب وانجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے اس بات کو سمجھنے کے لیے نفسیات کے کسی گہرے علم کی بھی ضرورت نہیں۔ خود اپنے دل کو ٹٹولیے اپنی آنکھوں سے فتویٰ طلب کیجیے۔ اپنے نفسی تجربات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجیے۔ منافقت کی بات تو دوسری ہے۔ منافق اگر آفتاب کے وجود کو بھی اپنے مقصد کے خلاف دیکھے گا تو دن دہاڑے کہہ دے گا کہ آفتاب موجود نہیں۔ البتہ صداقت سے کام لیجیے گا تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ صنفی تحریک (Sex appeal) میں جسم کی ساری تزئینات سے زیادہ حصہ اس فطری زینت کا ہے جو اللہ نے چہرے کی ساخت میں رکھی ہے۔ اس حقیقت کے مسلم ہو جانے کے بعد آگے بڑھیے۔ اگر سوسائٹی میں صنفی انتشار اور لا مرکزی ہیجانات و تحریکات کو روکنا مقصود ہی نہ ہو، تب تو چہرہ کیا معنی، سینہ اور بازو اور پنڈلیاں اور رانیں سب ہی کچھ کھول دینے کی آزادی ہونی چاہیے، جیسی کہ اس وقت مغربی تہذیب میں ہے۔ اس صورت میں ان حدود و قیود کی کوئی ضرورت ہی نہیں جو اسلامی قانونِ حجاب کے سلسلہ میں آپ اوپر سے دیکھتے چلے آرہے ہیں لیکن اگر اصل مقصد اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلافِ حکمت اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے۔

اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جب ایسا ہے تو اسلام نے حاجات و ضروریات کے لیے چہرہ کھولنے کی اجازت کیوں دی جیسا کہ تم خود پہلے بیان کر چکے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

اسلام کا قانون کوئی غیر متدل اور یک رخا قانون نہیں ہے وہ ایک طرف مصالح اخلاقی کا لحاظ کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی ضروریات کا بھی لحاظ کرتا ہے اور ان دونوں کے درمیان اس نے غایت درجہ کا تناسب اور توازن قائم کیا ہے وہ اخلاقی فتنوں کا سدباب بھی کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کبھی انسان پر ایسی پابندیاں بھی عائد کرنا نہیں چاہتا جن کے باعث وہ اپنی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرے اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں کیونکہ ستر پوشی اور اخفائے زینت سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ مگر چہرے اور ہاتھوں کو دائماً چھپائے رہنے سے عورتوں کو اپنی حاجات میں سخت مشکل پیش آسکتی ہے پس عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں، اور اس قاعدہ میں الاما ظھر منھا کے استثناء سے یہ آسانی پیدا کردی گئی کہ حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس کو کھول سکتی ہیں، بشرطیکہ نمائش حسن مقصود نہ ہو بلکہ رفع ضرورت مدّنظر ہو۔ پھر دوسری جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غض بصر کا حکم دے دیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کے لیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کرلیں، اور بیہودگی کے ساتھ اس کو گھورنے سے باز رہیں۔ پردہ داری کے ان احکام پر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ اسلامی پردہ کوئی جاہلی رسم نہیں ہے، بلکہ ایک عقلی قانون ہے۔ جاہلی رسم ایک جامد چیز ہوتی ہے۔ جو طریقہ جس صورت سے رائج ہوگیا کسی حال میں اس کے اندر تغیر نہیں کیا جاتا تھا جو چیز چھپا دی گئی وہ بس ہمیشہ کے لیے چھپا دی گئی اب مرتے مرجائیں مگر اس کا کھلنا غیر ممکن بخلاف اس کے عقلی قانون میں لچک ہوتی ہے۔ اس میں احوال کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی گنجائش ہوتی ہے۔ موقع و محل کے اعتبار سے اس کے

عام قواعد میں استثنائی صورتیں رکھی جاتی ہیں۔ ایسے قانون کی پیروی اندھوں کی طرح نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لیے عقل اور تمیز کی ضرورت ہے۔ سمجھ بوجھ رکھنے والا متبع خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کہاں اس کو عام قاعدے کی پیروی کرنی چاہیے، اور کہاں قانون کے نقطۂ نظر سے "حقیقی ضرورت" درپیش ہے جس میں استثنائی رخصتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ پھر وہ خود ہی یہ رائے بھی قائم کر سکتا ہے کہ کس محل پر رخصت سے کس حد تک استفادہ کیا جائے، اور استفادہ کی صورت میں مقصد قانون کو کس طرح ملحوظ رکھا جائے۔ ان تمام امور میں درحقیقت ایک نیک نیت مومن کا قلب ہی سچا مفتی بن سکتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استفت قلبك ودع ما حاك فی صدرك (اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو۔ اور جو چیز دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو) یہی وجہ ہے کہ اسلام کی صحیح پیروی جہالت اور ناسمجھی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یہ عقلی قانون ہے اور اس کی پیروی کے لیے قدم قدم پر تفقہ اور تدبر کی ضرورت ہے۔

باہر نکلنے کے قوانین | لباس اور ستر کے حدود مقرر کرنے کے بعد آخری حکم جو عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے:۔

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُولَىٰ ۔ (الاحزاب: ۴)

وَلَا یَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِینَ مِنْ زِینَتِهِنَّ (النور: ۴)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِی فِی قَلْبِهِ مَرَضٌ (الاحزاب: ۴)۔

وقرن کی قراءت میں اختلاف ہے۔ عام قراء مدینہ اور بعض کوفیوں نے اس کو وَقَرْنَ بفتح قاف پڑھا ہے جس کا مصدر قرار ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اپنے گھروں میں ٹھیری رہو یا جمی بیٹھی رہو۔ عام قراء کوفہ و بصرہ نے وَقِرْنَ بکسر قاف پڑھا ہے جس کا مصدر وقار ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے گھروں میں وقار اور سکینت کے ساتھ رہو۔

تبرج کے دو معنی ہیں۔ ایک زینت اور محاسن کا اظہار۔ دوسرے چلنے میں ناز و انداز دکھانا، تبختر کرتے ہوئے چلنا، اٹھلانا، لچکے کھانا، جسم کو توڑنا، ایسی چال اختیار کرنا جس میں ایک ادا پائی جاتی ہو۔ آیت میں یہ دونوں معنی مراد ہیں۔ جاہلیت اولیٰ میں عورتیں خوب بن سنور کر نکلتی تھیں جس طرح دور جدید کی جاہلیت میں نکل رہی ہیں۔ پھر چال بھی قصداً ایسی اختیار کی جاتی تھی کہ ہر قدم زمین پر نہیں بلکہ دیکھنے والوں کے دلوں پر پڑے۔ مشہور تابعی و مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ کانت لھن مشیۃ وتکسر و تغنج فنھاھن اللہ عن ذالک۔ اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے کسی تاریخی بیان کی حاجت نہیں کسی ایسی سوسائٹی میں تشریف لے جائیے جہاں مغربی وضع کی خواتین تشریف لاتی ہوں۔ جاہلیت اولیٰ کی تبرج والی چال آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اسلام اسی سے منع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اول تو تمہاری صحیح جائے قیام تمہارا گھر ہے۔ بیرون خانہ کی ذمہ داریوں سے تم کو اسی لیے سبکدوش کیا گیا ہے کہ تم سکون و وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں رہو اور خانگی زندگی کے فرائض ادا کرو۔ تاہم اگر ضرورت پیش آئے تو گھر سے باہر نکلنا بھی تمہارے لیے جائز ہے، لیکن نکلتے وقت پوری عصمت مآبی ملحوظ رکھو۔ نہ تمہارے لباس میں کوئی شان اور بھڑک ہونی چاہیے کہ نظروں کو تمہاری طرف مائل کرے۔ نہ اظہار حسن کے لیے تم میں کوئی بے تابی ہونی چاہیے کہ چلتے چلتے کبھی چہرے کی جھلک دکھاؤ اور کبھی ہاتھوں کی نمائش کرو۔ نہ چال میں کوئی خاص ادا پیدا کرنی چاہیے کہ نگاہوں کو خود بخود تمہاری طرف متوجہ کردے۔ ایسے زیور بھی پہن کر نہ نکلو جن کی جھنکار غیروں کے لیے سامعہ نواز ہو۔ قصداً لوگوں کو سنانے کے لیے آواز بھی نہ نکالو۔ ہاں اگر بولنے کی ضرورت پیش آئے تو بولو۔ مگر آواز میں رس بھرنے کی کوشش نہ کرو۔ ان قواعد اور حدود کو ملحوظ رکھ کر اپنی حاجات کے لیے تم گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔

یہ ہے قرآن کی تعلیم۔ آئیے اب حدیث پر نظر ڈال کر دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس تعلیم کے مطابق سوسائٹی میں عورتوں کے لیے کیا طریقے مقرر فرمائے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور انکی خواتین نے اس پر کس طرح عمل کیا۔

حاجات کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت

حدیث میں ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر کا تقاضا تھا کہ یا رسول اللہ اپنی خواتین کو پردہ کرائیے۔ ایک مرتبہ امّ المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رات کے وقت باہر نکلیں تو حضرت عمر نے ان کو دیکھ لیا اور پکار کر کہا کہ سودہ ! ہم نے تم کو پہچان لیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خواتین کا گھروں سے نکلنا ممنوع ہو جائے۔ اس کے بعد جب احکام حجاب نازل ہوئے تو حضرت عمر کی بن آئی۔ انہوں نے عورتوں کے خروج پر زیادہ روک ٹوک شروع کر دی۔ ایک مرتبہ پھر حضرت سودہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔ وہ گھر سے نکلیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ٹوکا۔ انہوں نے آں حضرت سے شکایت کی۔ حضور نے فرمایا قد اذن اللہ لکنّ ان تخرجن لحوائجکن (اللہ نے تم کو اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے)[1]

اس سے معلوم ہوا کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کے حکم قرآنی کا منشا یہ نہیں ہے کہ عورتیں گھر کے حدود سے کبھی قدم باہر نکالیں ہی نہیں۔ حاجات و ضروریات کے لیے ان کو نکلنے کی پوری اجازت ہے مگر یہ اجازت نہ غیر مشروط ہے نہ غیر محدود۔ عورتیں اس کی مجاز نہیں ہیں کہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں پھریں اور مردانہ اجتماعات میں گھل مل جائیں۔ حاجات و ضروریات سے شریعت کی مراد ایسی واقعی حاجات و ضروریات ہیں جن میں درحقیقت نکلنا اور باہر کام کرنا عورتوں کے لیے

[1] یہ متعدد احادیث کا لب لباب ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم۔ باب اباحۃ الخروج للنساء لقضاء حاجۃ الانسان۔ بخاری۔ باب خروج النساء لحوائجھن و باب آیۃ الحجاب۔

ناگزیر ہو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ تمام عورتوں کے لیے تمام زمانوں میں نکلنے اور نہ نکلنے کی ایک ایک صورت بیان کرنا اور ہر ہر موقع کے لیے رخصت کے علیحدہ علیحدہ حدود مقرر کردینا ممکن نہیں ہے۔ البتہ شارع نے زندگی کے عام حالات میں عورتوں کے لیے خروج کے جو قاعدے مقرر کیے تھے اور حجاب کے حدود میں جس طرح کمی و بیشی کی تھی اس سے قانون اسلامی کی اسپرٹ اور اس کے رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور اس کو سمجھ کر انفرادی حالات اور جزئی معاملات میں حجاب کے حدود اور موقع و محل کے لحاظ سے ان کی کمی و بیشی کے اصول ہر شخص خود معلوم کرسکتا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے ہم مثال کے طور پر چند مسائل بیان کرتے ہیں۔

مسجد میں آنے کی اجازت اور اس کے حدود

یہ معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے اہم فرض نماز ہے، اور نماز میں حضورِ مسجد اور شرکتِ جماعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ مگر نماز باجماعت کے باب میں جو احکام مردوں کے لیے ہیں ان کے بالکل برعکس احکام عورتوں کے لیے ہیں۔ مردوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو مسجد میں جماعت کے ساتھ ہو۔ اور عورتوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو گھر میں انتہائی خلوت کی حالت میں ہو۔ امام احمد اور طبرانی نے اُمِّ حُمَیدساعدیہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ :۔

قالت یارسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معك قال قد علمت۔ وصلوٰتكِ فی بیتك خیرلك من صلوٰتك فی حجرتك وصلوٰتك فی حجرتكِ خیر من صلوٰتكِ فی دارك وصلوٰتك فی دارك خیر من صلوٰتكِ فی مسجد قومك وصلوٰتكِ فی مسجد

انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حضور نے فرمایا مجھے معلوم ہے مگر تیرا ایک گوشہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور کمرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے گھر کے دالان میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے دالان میں نماز

قومك خير من صلوٰتك فی مسجد الجماعة۔ — اور تیرا اپنے دالان میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے۔ اور تیرا اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ مسجد جامع میں نماز پڑھے۔[1]

اسی مضمون کی حدیث ابو داؤد میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا (باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد) — عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے اور اس کا اپنے چور خانہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھے۔

دیکھیے یہاں ترتیب بالکل الٹ گئی ہے۔ مرد کے لیے سب سے ادنیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ وہ ایک گوشۂ تنہائی میں پڑھے، اور سب سے افضل یہ کہ وہ بڑی سے بڑی جماعت میں شریک ہو۔ مگر عورت کے لیے اس کے برعکس انتہائی خلوت کی نماز میں فضیلت ہے، اور اس کو نہ صرف نماز باجماعت پر ترجیح دی گئی ہے، بلکہ اس نماز سے بھی افضل کہا گیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت

---

[1] عورت کو اس قدر خلوت میں نماز پڑھنے کی ہدایت جس مصلحت سے دی گئی ہے اس کو خود عورتیں زیادہ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔ مہینے میں چند روز ایسے آتے ہیں جن میں عورت کو مجبوراً نماز ترک کرنی پڑتی ہے اور اس طرح وہ بات ظاہر ہو جاتی ہے جسے کوئی حیادار عورت اپنے بھائی بہنوں پر بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہت سی عورتیں اسی شرم کی وجہ سے تارک صلوٰۃ ہو جاتی ہیں۔ شارع نے اس بات کو محسوس کرکے ہدایت فرمائی کہ چھپ کر خلوت کے ایک گوشے میں نماد پڑھا کرو تاکہ کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہو کہ تم کب نماد پڑھتی ہو اور کب چھوڑ دیتی ہو مگر یہ صرف ہدایت ہے تاکید اور حکم نہیں ہے۔ عورتیں گھر میں اپنی الگ جماعت کر سکتی ہیں اور عورت ان کی امامت کر سکتی ہے۔ اُمِ وَرَقہ بنت نوفل کو آنحضرت نے اجازت دی تھی کہ عورتوں کی امامت کریں (ابو داؤد) دارقطنی اور بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے عورتہ ا کی امامت کی اور صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائی۔

مسلمان کے لیے ہو ہی نہیں سکتی تھی یعنی مسجد نبوی کی جماعت جس کے امام خود امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آخر اس فرق و امتیاز کی وجہ کیا ہے؟ یہی نا کہ شارع نے عورت کے باہر نکلنے کو پسند نہیں کیا، اور جماعت میں ذکور و اناث کے خلط ملط ہونے کو روکنا چاہا۔

مگر نماز ایک مقدس عبادت ہے اور مسجد ایک پاک مقام ہے۔ شارع حکیم نے اختلاط صنفین کو روکنے کے لیے اپنے منشا کا اظہار تو فضیلت اور عدم فضیلت کی تفریق سے کر دیا۔ مگر ایسے کام کے لیے ایسی جگہ آنے سے عورتوں کو منع نہیں کیا۔ حدیث میں یہ اجازت جن الفاظ کے ساتھ ہے وہ شارع کی بے نظیر حکیمانہ شان پر دلالت کرتے ہیں۔ فرمایا۔

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ اذا استاذنت امرأۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعھا۔ (بخاری و مسلم)

خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو۔ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

لاتمنعوا النساءکم المساجد و بیوتھن خیرلھن۔ (ابوداؤد)

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو مگران کے گھر ان کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔

یہ الفاظ خود ظاہر کر رہے ہیں کہ شارع عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکتا تو نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں نماز کے لیے جانا کوئی برا فعل نہیں جس کو ناجائز قرار دیا جا سکے۔ مگر مصالح اس کی بھی مقتضی نہیں کہ مساجد میں ذکور و اناث کی جماعت مخلوط ہو جائے۔ لہٰذا ان کو آنے کی اجازت تو دے دی مگر یہ نہیں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجدوں میں بھیجو، یا اپنے ساتھ لایا کرو۔ بلکہ صرف یہ کہا کہ اگر وہ افضل نماز کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا چاہیں اور اجازت مانگیں تو منع نہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو روح اسلام کے بڑے راز داں تھے، شارع کی اس حکمت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ موطا میں مذکور ہے کہ ان کی بیوی عاتکہ بنت زید سے ہمیشہ اس معاملہ میں انکی کشمکش

رہا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ نہ چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جائیں۔ مگر انھیں جانے پر اصرار تھا، وہ اجازت مانگتیں تو آپ ٹھیک ٹھیک حکم نبوی پر عمل کر کے بس خاموش ہو جاتے مطلب یہ تھا کہ ہم تمہیں روکتے نہیں ہیں، مگر صاف صاف اجازت بھی نہ دیں گے۔ وہ بھی اپنی بات کی پکی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں جاتی رہونگی جب تک کہ آپ صاف الفاظ میں منع نہ کریں گے۔[۱]

مسجد میں آنے کی شرائط | حضورؐ نے مساجد کی اجازت دینے کے ساتھ چند شرائط بھی مقرر کر دی گئیں ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ دن کے اوقات میں مسجد میں نہ جائیں بلکہ صرف ان نمازوں میں شریک ہوں جو اندھیرے میں پڑھی جاتی ہیں، یعنی عشا اور فجر۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت دو

ترمذی باب خروج النساء الی المسجد۔

وَفِی ھٰذا المعنیٰ حدیث اخرجہ البخاری فی باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس۔ وقال نافع مولیٰ ابن عمر وکان اختصاص اللیل بذالک لکونہ استر واخفی۔

حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد خاص حضرت نافع کہتے ہیں کہ رات کی تخصیص اس لیے کی کہ رات کی تاریکی میں اچھی طرح پردہ داری ہو سکتی ہے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلعم یصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ جب عورتیں نماز کے

[۱] یہ حال صرف حضرت عمرؓ کی بیوی کا نہ تھا بلکہ عہد نبوی میں بکثرت عورتیں نماز با جماعت کے لیے مسجد جایا کرتی تھیں ابو داؤد میں ہے کہ مسجد نبوی میں بسا اوقات عورتوں کی دو دو صفیں ہو جاتی تھیں (باب مایکرہ من ذکر الرجل مایکون من اصابۃ اہلہ)

ثم یرجعن الی بیوتھن مایعرفن من الغلس[۱] | بعد اپنی اوڑھنیوں میں لپٹی ہوئی گذرتیں تو تاریکی کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسجد میں زینت کے ساتھ نہ آئیں، نہ خوشبو لگا کر آئیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ مُزَینَہ کی ایک عورت بہت بنی سنوری ہوئی بڑے ناز و تبختر کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حضور نے فرمایا لوگو اپنی عورتوں کو زینت اور تبختر کے ساتھ مسجد میں آنے سے روکو[۲]۔ خوشبو کے متعلق فرمایا کہ جس رات تم کو نماز میں شریک ہونا ہو اس رات کو کسی قسم کا عطر لگا کر نہ آؤ، نہ بخور استعمال کرو۔ بالکل سادہ لباس میں آؤ۔ جو عورت خوشبو لگا کر آئیگی اس کی نماز نہ ہوگی[۳]۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورتیں جماعت میں مردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں اور نہ آگے کی صفوں میں آئیں۔ بلکہ انھیں مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا اٰخرھا و خیر صفوف النساء اٰخرھا و شرھا اولھا۔ "مردوں کے لیے بہترین مقام آگے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام پیچھے کی صفوں میں، اور عورتوں کے لیے بہترین مقام پیچھے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام آگے کی صفوں میں" جماعت کے باب میں حضور نے یہ قاعدہ ہی مقرر کر دیا تھا کہ عورت اور مرد پاس پاس کھڑے ہوں

---

[۱] ترمذی باب التغلیس فی الفجر۔ اسی مضمون کی احادیث بخاری (باب وقت الفجر)، مسلم (باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا)، ابوداؤد (باب وقت الصبح)، اور دوسری مستندات میں مروی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کتب حدیث میں موجود ہے کہ نماز پڑھانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مرد نمازی بیٹھے رہتے تھے تاکہ عورتیں اٹھ کر چلی جائیں۔ اس کے بعد آپ اور سب لوگ کھڑے ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو بخاری باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال۔ ابوداؤد باب انصراف النساء قبل الرجال عن الصلوٰۃ۔

[۲] ابن ماجہ باب فتنۃ النساء

[۳] ملاحظہ ہو موطا، باب خروج النساء الی المساجد۔ مسلم باب خروج النساء الی المسجد ابن ماجہ باب فتنۃ النساء

نماز نہ پڑھیں خواہ وہ شوہر اور بیوی یا ماں اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری نانی مُلیکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد آپ نماز کے لیے اٹھے میں اور یتیم (غالباً یہ حضرت انس کے بھائی کا نام تھا) حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ملیکہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں[۱]۔ حضرت انس کی دوسری روایت ہے کہ ہمارے گھر میں حضور نے نماز پڑھی میں اور یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور میری ماں ام سُلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں[۲]۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نماز کے لیے اٹھے میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا اور حضرت عائشہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں[۳]۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ عورتیں نماز میں آواز بلند نہ کریں۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر نماز میں امام کو کسی چیز پر تنبیہ کرنا ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں دستک دیں[۴]۔

ان تمام حدود و قیود کے باوجود جب حضرت عمر کو جماعت میں ذکور و اناث کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہوا تو آپ نے مسجد میں عورتوں کے لیے ایک دروازہ مختص فرما دیا اور مردوں کو اس دروازہ سے آنے جانے کی ممانعت کر دی[۵]۔

حج میں عورتوں کا طریقہ اسلام کا دوسرا فرض حج ہے۔ اس میں عورتوں کو جانے کی پوری اجازت ہے مگر حتی الامکان مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے روکا گیا ہے بخاری میں عطار سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں مگر خلط ملط نہ ہوتی تھیں[۶]۔ فتح الباری میں ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت

[۱] ترمذی۔ باب ما جاء فی الرجل یصلی و معہ رجال و نساء۔
[۲] بخاری۔ باب المرأۃ وحدہا تکون صفاً۔
[۳] نسائی۔ باب موقف الامام اذا کان معہ صبی و امرأۃ۔
[۴] بخاری باب التصفیق للنساء۔ و ابوداؤد باب التصفیق فی الصلوٰۃ۔
[۵] ابوداؤد۔ باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال۔
[۶] باب طواف النساء مع الرجال۔

عمرؓ نے طواف میں عورتوں اور مردوں کو گڈمڈ ہونے سے روک دیا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مرد کو آپ نے عورتوں کے مجمع میں دیکھا تو پکڑ کر کوڑے لگائے۔[۱] موطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اپنے بال بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ آگے روانہ کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز اور رمی سے فارغ ہو جائیں۔ نیز حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ صبح اندھیرے منہ منیٰ تشریف لے جاتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتوں کے لیے یہی دستور تھا۔[۲]

جمعہ و عیدین میں عورتوں کی شرکت جمعہ اور عیدین کے اجتماعات اسلام میں جیسی اہمیت رکھتے ہیں محتاج بیان نہیں۔ ان کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر شارع نے خاص طور پر ان اجتماعات کے لیے وہ شرط اڑا دی جو عام نمازوں کے لیے تھی یعنی یہ کہ دن میں شریک جماعت نہ ہوں۔ اگرچہ جمعہ کے متعلق یہ تصریح ہے کہ عورتیں فرضیت جمعہ سے مستثنیٰ ہیں (ابوداؤد، باب الجمعۃ للمملوک)۔ اور عیدین میں بھی عورتوں کی شرکت ضروری نہیں لیکن اگر وہ چاہیں تو نماز باجماعت کی دوسری شرائط کے مطابق ان جماعتوں میں شریک ہو سکتی ہیں۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی خواتین کو عیدین میں لیجاتے تھے۔

عن ام عطیۃ قالت ان رسول اللہ صلعم کان یخرج الابکار والعواتق وذوات الخدور والحیض فی العیدین فاما الحیض فیعتزلن المصلیٰ ویشھدن دعوۃ المسلمین۔ (ترمذی باب خروج النساء فی العیدین)	ام عطیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری اور جوان لڑکیوں اور گھر گرہستنوں اور ایام والی عورتوں کو عیدین میں لے جاتے تھے جو عورتیں نماز کے قابل نہ ہوتیں وہ جماعت سے الگ رہتیں اور دعا میں شریک ہو جاتی تھیں۔

[۱] جلد سوم صفحہ ۳۱۲۔
[۲] موطا، ابواب الحج۔ باب تقدیم النساء والصبیان۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج بناتہ ونساءہٗ فی العیدین۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین)	ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔

زیارت قبور و شرکت جنازات مسلمان کے جنازے میں شریک ہونا شریعت میں فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے متعلق جو تاکیدی احکام ہیں، واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں۔ مگر یہ سب مردوں کے لیے ہیں۔ عورتوں کو شرکت جنازات سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس ممانعت میں سختی نہیں ہے، اور کبھی کبھی اجازت بھی دیگئی ہے، لیکن شارع کے ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا جنازوں میں جانا کراہت سے خالی نہیں۔ بخاری میں ام عَطِیَّہ کی حدیث ہے کہ نُھِینَا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا۔ "ہم کو جنازوں کی مشایعت سے منع کیا گیا تھا مگر سختی کے ساتھ نہیں" (باب اتباع النساء الجنازۃ) ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ایک عورت نظر آئی۔ حضرت عمر نے اس کو ڈانٹا۔ حضور نے فرمایا۔ یا عمر دعھا (اے عمر اسے چھوڑ دے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت میت کی کوئی عزیز قریب ہوگی۔ شدتِ غم سے مجبور ہو کر ساتھ چلی آئی ہوگی۔ حضور نے اس کے جذبات کی رعایت کر کے حضرت عمر کو ڈانٹ ڈپٹ سے منع فرما دیا۔

ایسی ہی صورت زیارت قبور کی بھی ہے۔ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ اپنے مردہ عزیزوں کی یاد ان کے دلوں میں زیادہ گھری ہوتی ہے۔ ان کے جذبات کو بالکل پامال کر دینا شارع نے پسند نہ فرمایا مگر یہ صاف کہدیا کہ کثرت سے قبروں پر جانا ممنوع ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ لعن رسول اللہ صلعم زوارات القبور۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت قبروں پر جانے والیوں کو ملعون ٹھیرایا تھا (باب ماجاء فی کراھیۃ زیارۃ القبور للنساء[1]) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں تو فرمایا واللہ لو شھدتک ما زرتک۔ بخدا اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اب تمہاری قبر کی زیارت کو نہ آتی[2]۔ انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس بیٹھے روتے دیکھا تو اسے منع نہ فرمایا بلکہ صرف اتقی اللہ واصبری فرمادیا[3]۔

ان احکام پر غور کیجیے۔ نماز ایک مقدس عبادت ہے۔ مسجد ایک پاک مقام ہے۔ حج میں انسان انتہائی پاکیزہ خیالات کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ جنازوں اور قبروں کی حاضری میں ہر شخص کے سامنے موت کا تصور رہتا ہے، غم و الم کے بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ سب مواقع ایسے ہیں جن میں صنفی جذبات یا تو بالکل مفقود ہوتے ہیں یا رہتے بھی ہیں تو دوسرے پاکیزہ تر جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود شارع نے ایسے اجتماعات میں بھی مردوں اور عورتوں کی سوسائٹی کا مخلوط ہونا پسند نہ کیا۔ مواقع کی پاکیزگی، مقاصد کی طہارت اور عورتوں کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھکر انھیں گھر سے نکلنے کی اجازت تو دی، بعض مواقع پر خود بھی ساتھ لے گئے لیکن حجاب کی اتنی قیود لگا دیں کہ فتنے کے ادنیٰ احتمالات بھی باقی نہ رہیں پھر حج کے سوا تمام دوسرے امور کے متعلق فرما دیا کہ ان میں عورتوں کا شریک نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ جس قانون کا یہ رجحان ہو اس سے آپ یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ مدرسوں اور کالجوں میں، دفتروں اور کارگاہوں میں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں اختلاط صنفین کو

---

[1] ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت سے بھی منقول ہے۔

[2] ترمذی باب ماجاء فی زیارۃ القبور للنساء۔ [3] بخاری باب زیارۃ القبور۔

جائز رکھے گا؟

جنگ میں عورتوں کی شرکت

حدود حجاب کی سختی آپ نے دیکھ لی۔ اب دیکھیے کہ ان میں نرمی کہاں اور کس ضرورت سے کی گئی ہے۔

مسلمان جنگ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عام مصیبت کا وقت ہے۔ حالات مطالبہ کر رہے ہیں کہ قوم کی پوری اجتماعی قوت، دفاع میں صرف کر دی جائے۔ ایسی حالت میں اسلام قوم کی خواتین کو عام اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگی خدمات میں حصہ لیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ جو ماں بننے کے لیے بنائی گئی ہے وہ سر کاٹنے اور خون بہانے کے لیے نہیں بنائی گئی۔ اس کے ہاتھ میں تیر و خنجر دینا اس کی فطرت کو مسخ کرنا ہے۔ اس لیے وہ عورتوں کو جان اور آبرو کی حفاظت کے لیے تو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر بالعموم عورتوں سے مصافی خدمات لینا اور انھیں فوجوں میں بھرتی کرنا اس کی پالیسی سے خارج ہے۔ وہ جنگ میں ان سے صرف یہ خدمت لیتا ہے کہ زخموں کی مرہم پٹی کریں، پیاسوں کو پانی پلائیں، سپاہیوں کے لیے کھانا پکائیں، اور مجاہدین کے پیچھے کیمپ کی حفاظت کریں۔ ان کاموں کے لیے پردے کی حدود انتہائی حد تک کم کر دی گئی ہیں بلکہ ان خدمات کے لیے تھوڑی ترمیم کے ساتھ وہی لباس پہننا شرعاً جائز ہے جو آج کل ہسپتالوں کی نرسیں پہنتی ہیں۔

تمام احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ میں ازواج مطہرات اور خواتین اسلام آنحضرت کے ساتھ جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ یہ طریقہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی جاری رہا[1]۔ ترمذی میں ہے کہ ام سُلیم اور انصار کی چند دوسری خواتین اکثر لڑائیوں میں حضور کے ساتھ گئی ہیں[2]۔ بخاری میں ہے کہ ایک عورت نے

[1] بخاری باب حمل الرجل امراۃ فی الغزو۔ [2] ترمذی باب ماجاء فی خروج النساء فی الغزو

حضور سے عرض کیا میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں بھی بحری جنگ میں جانے والوں کے ساتھ رہوں آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اجعلھا منھم۔[1] جنگ احد کے موقع پر جب مجاہدین اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے حضرت عائشہ اور ام سُلَیم اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور لڑنے والوں کو پانی پلاتی تھیں حضرت انس کہتے ہیں کہ اس حال میں میں نے اُن کو پائنچے اٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا۔ ان کی پنڈلیوں کا نچلا حصہ کھلا ہوا تھا۔[2] ایک دوسری خاتون ام سلیط کے متعلق حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "جنگ اُحد میں دائیں اور بائیں جدھر میں دیکھتا تھا ام سلیط میری حفاظت کے لیے جان لڑاتی ہوئی نظر آتی تھی"۔ اسی جنگ میں رُبیع بنت معوّذ اور ان کے ساتھ خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول تھی اور یہی عورتیں مجروحین کو اٹھا اٹھا کر مدینہ لے جارہی تھیں۔[3] جنگ حنین میں ام سُلَیم ایک خنجر ہاتھ میں لیے پھر رہی تھیں۔ حضور نے پوچھا یہ کس لیے ہے؟ کہنے لگیں کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔[4] ام عَطِیّہ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں کیمپ کی حفاظت، سپاہیوں کے لیے کھانا پکانا، زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنا ان کے سپرد تھا۔[5] حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جو خواتین اس قسم کی جنگی خدمات انجام دیتی تھیں ان کو اموال غنیمت میں سے انعام دیا جاتا تھا۔[6]

---

[1] بخاری باب غزو المرأۃ البحر۔
[2] بخاری باب غزو النساء وقتالھن مع الرجال۔ مسلم باب النساء الغازیات یرضخ لھن۔
[3] بخاری باب مداواۃ النساء الجرحیٰ فی الغزو۔
[4] مسلم باب غزوۃ النساء مع الرجال۔
[5] ابن ماجہ۔ باب العبید والنساء یشھدون مع المسلمین۔
[6] مسلم، باب النساء الغازیات یرضخ لھن۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی پردہ کی نوعیت کسی جاہلی رسم کی سی نہیں ہے جس میں مصالح اور ضروریات کے لحاظ سے کمی و بیشی نہ ہو سکتی ہو۔ جہاں حقیقی ضروریات پیش آجائیں وہاں اس کے حدود کم بھی ہو سکتے ہیں، نہ صرف چہرہ اور ہاتھ کھلے جا سکتے ہیں، بلکہ جن اعضا کو ستر عورت میں داخل کیا گیا ہے ان کے بھی بعض حصے اگر حسب ضرورت کھل جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن جب ضرورت رفع ہو جائے تو حجاب کو پھر انہی حدود پر قائم ہونا چاہیے جو عام حالات کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ جس طرح یہ پردہ جاہلی پردہ نہیں ہے، اسی طرح اس کی تخفیف بھی جاہلی آزادی کے مانند نہیں۔ مسلمان عورت کا حال یورپین عورت کی طرح نہیں ہے کہ جب وہ ضروریات جنگ کے لیے اپنی حدود سے باہر نکلی تو اس نے جنگ ختم ہونے کے بعد اپنی حدود میں واپس جانے سے انکار کر دیا۔ (باقی)

مرآۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کہ کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جن کی مدد سے آپ حسب منشا جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے۔ غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطلب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

کاغذ کتابت طباعت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت عہ سکہ انگریزی للعہ سکہ حالی

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے